منیرؔ نیر ایک ہمہ جہت شخصیت

ڈاکٹر محمد وسیم انجم

Dr.Muhammad Waseem Anjum

Head, Department of Urdu,

Federal Urdu University, Islamabad.

Abstract:

Munir Neer is a well known Afsana Nigar. He has written many short stories and poems in which he discussed various techniques and styles of life. Munir Neer started his literary career by writing "Afsana Nigari" both in Urdu and English which were published in various national magazines since 1966. In this article some highlights on the life of Munir Neer including his favourate Novel "Thanda Suraj Jlta Chand" are discussed.

راجپوتوں کا اصل وطن راجپوتانہ ہے جیسا کہ نام ہی سے ظاہر ہے۔اس ملک کو راجپوتانہ کا نام اس لیے دیا گیا کہ راجپوت اس کے مالک تھے اور ان کی ایک مخصوص اور علیحدہ قوم ہے لیکن یہ اس وقت تمام ہندوستان میں پھیل گئے ہیں، کچھ ان میں خالص ہیں اور کچھ مخلوط۔اگر چہ راجپوتوں کی اصلیت کی بابت جو کچھ ان کے قدیم قصص اور حکایات میں لکھا گیا ہے وہ تاریخی واقعات نہیں ہیں لیکن اس میں شک نہیں کہ ہندوستان کی اقوام میں نہایت خالص اور حسین قوم ہے۔راجپوت کھکھہ، ہتمال اور تیزیال خاندانوں کی روایات کے مطابق ان کا مورث اعلیٰ ایک ہی شخص راجہ مل خان گزرا ہے جس کا ذکر محمد الدین فوق کی کتاب ''تواریخ اقوام کشمیر'' میں تحریر ہے اور اس سے زیادہ ان کی کتاب ''تاریخ اقوام پونچھ'' میں جنجوعہ قوم کے حالات تحریر ہیں کہ جنجوعہ خاندان کا سب سے بڑا بزرگ راجہ مل کو تسلیم کرتے ہیں اور ان کے مسلمان ہونے کے متعلق جو روایتیں مشہور ہیں ان کی تفصیل مذکورہ کتاب میں شامل ہے اور زیادہ تفصیلات میری کتاب ''سنہرے لوگ'' اور ''تابندہ لوگ'' میں شامل ہیں۔کیپٹن محمد اشرف خان کی کتاب ''انساب القبائل اکبریہ کشمیر و پاکستان'' کی جلد سوم باب نمبر ۳۷ میں کھکھہ چوتھلہ، چکار اور مظفر آباد تحریر ہے۔اس سے واضح ہوتا ہے کہ کھکھہ خاندان ان جگھوں سے نقل مکانی کر کے آیا۔مذکورہ کتاب میں فضل خان کے ساتھ موضع پنجاڑ تحصیل کہوٹہ ضلع راولپنڈی بھی تحریر ہے۔فضل خان پہلے پنجاڑ تشریف لائے تھے۔تحصیل کہوٹہ ضلع راولپنڈی کے مضافاتی علاقے کھکھہ قوم کی روایت کے مطابق عبداللہ خان مظفر آباد کے موضع گھوڑی سے نقل مکانی کر کے مواڑہ تحصیل کہوٹہ پہنچے۔میرے ایک مضمون ''قوم کھکھہ راجپوت تحصیل کہوٹہ کی خدمات'' میں تحریر ہے:

''عبداللہ خان جو راجہ مل خان کی انیسویں پشت میں تھے، ترک وطن کر کے مواڑہ تحصیل کہوٹہ پہنچے جہاں اخوان نامی شخص سے دینی علوم سے فیض یاب ہوئے تو موضع سنبھل کے لوگ

آپ کو اپنی مسجد میں امامت کے لیے لے گئے۔ یہاں پر آپ اشاعت اسلام کے لیے کوشاں ہوئے۔ اردگرد کے علاقوں میں تبلیغ اسلام کرتے اور مساجد میں امامت، خطابت اور درس و تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ خداوند کریم نے ایک بیٹے فضل خان سے سرفراز کیا جن کے سات بیٹے تھے، سارے علم وفضیلت کے لحاظ سے بلند پایہ مقام رکھتے تھے۔ انھوں نے مسجد کو مرکز بنا کر دین الٰہی کی ترویج شروع کر دی جس کی وجہ سے یہاں کے لوگوں نے قاضی کے القاب سے نوازا۔ اس طرح خادم حسین موضع پنجاڑ، راقم کے پڑنانا محمد فاضل موضع سنبھل، طالب حسین موضع ہوتھلہ، غلام حسین پنجاڑ، نور حسین، محمد حسین راولپنڈی جبکہ محمد عالم مفتی اعظم نے برصغیر پاک و ہند میں اسلامی علوم پھیلایا۔'' (۱)

خادم حسین موضع پنجاڑ کے بھی سات صاحبزادے عبدالرزاق، صابر حسین، محمد اکرم، عبدالرحمٰن، عبدالواحد، محمد شفیع اور محمد حسین تھے۔ محمد حسین آرمی سے ریٹائر ہونے کے بعد جنرل ہیڈ کوارٹر میں نوکر ہو گئے۔ ان کی ملازمت کے دوران ان کے داماد محمد عظیم قریشی، صاحبزادے مشتاق قمؔر اور منیر نیؔر بھی یہاں ملازم ہو گئے۔ منیر نیؔر جی ایچ کیو میں کلرک بھرتی ہوئے اور یو ڈی سی ترقی پانے کے بعد بیرون ملک جانے کے لیے مستعفی ہو گئے لیکن اس وقت باہر بھی نہ جا سکے۔ اس طرح دس بارہ سال جی ایچ کیو کی ملازمت کے بعد فوجی فاؤنڈیشن ہارلے سٹریٹ میں نوکر ہو گئے۔ اب یہ دفتر فوجی ٹاور ٹیپو روڈ میں منتقل ہو گیا ہے۔ مشتاق قمر اور منیر نیؔر جائنٹ فیملی سسٹم کے تحت اکٹھے رہے۔ ان کے والدین اور خاندان کے بارے میں زیادہ تفصیلات ''سنہرے لوگ''، ''تابندہ لوگ'' (۲) اور ''مشتاق شناس'' (۳) میں شامل ہیں۔

مشتاق قمؔر اور منیر نیؔر میری والدہ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ محمد مشتاق کا قلمی نام مشتاق قمر اور محمد منیر کا قلمی نام منیر نیر ہے۔ مشتاق قمر اور منیر نیر اوائل دور میں ایم ایم قمر اور ایم ایم نیر کے ناموں سے بھی لکھتے رہے ہیں۔ مشتاق قمر نے پچاس کے عشرے کے وسط میں جبکہ منیر نیر نے ساٹھ کے عشرے کے وسط میں لکھنا شروع کیا۔ منیر نیؔر ۱۳ جولائی ۱۹۴۳ء میں پیدا ہوئے (۴) گورنمنٹ پرائمری سکول آرا ے بازار سے پرائمری پاس کرنے کے بعد ایف جی ٹیکنیکل ہائی سکول لال کرتی سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ گورنمنٹ ڈگری کالج سیٹلائٹ ٹاؤن میں داخل ہو گئے لیکن پرائیویٹ طور پر ایف اے، بی اے اور ایم اے اردو، پنجابی کے امتحانات پاس کیے۔ ان کے بھانجے طاہر محمود بچپن میں اپنے والدین کی وفات کے بعد ننھیال میں مشتاق قمر اور منیر نیؔر کے ساتھ رہے۔ مشتاق قمر جی ایچ کیو کی ملازمت کے بعد فیکٹری کوارٹر سے ڈسپنسری گراؤنڈ ٹینچ بھاٹہ میں کرائے کا مکان لے کر رہنے لگے۔ منیر نیر کی شادی یاسمین اختر سے ۲۱ دسمبر ۱۹۷۲ء کو یہیں انجام پائی۔ یاسمین اختر نے ایف اے کیا ہوا تھا۔ کچھ عرصہ اسلامیات کی ٹیچر بھی رہیں۔ شادی کے بعد جس فیملی میں آئی یہاں مشتاق قمر اور منیر نیر افسانہ نگاری کر رہے تھے۔ اس طرح یاسمین اختر نے بھی یاسمین نیر کے نام سے افسانے لکھنے شروع کر دیئے۔ مشتاق قمر اور منیر نیر نے ڈسپنسری گراؤنڈ ٹینچ بھاٹہ سے مغل آباد میں کرائے کا مکان لے لیا اور ہمیں بھی فیکٹری کوارٹروں کے بعد شالیمار سٹریٹ مغل آباد میں کافی عرصہ ان کے پڑوس میں رہنے کا شرف حاصل ہوا۔ ہم دونوں فیملیوں کے کرایہ کے مکان تھے اور ان کے مالک قاضی عارف کافی عرصہ سے برطانیہ میں مقیم تھے۔ گاہے گاہے پاکستان چکر لگاتے رہتے تھے۔ یہاں انہوں نے صوفی عبدالغنی کو اپنے مکانوں کا نگران مقرر کیا ہوا تھا۔ اسی مکان میں منیر نیؔر کے والدین کی وفات ہوئی اور مشتاق قمر کی بڑی صاحبزادیوں کی شادیاں ہوئیں۔ طاہر محمود کو مشتاق

قمر نے مستقل اپنی فرزندگی میں لے لیا۔اسی مکان میں منیر نیّر کی صاحبزادی منزہ اور عمران کی ولادت ہوئی۔منزہ کی اوپن ہارٹ سرجری اے ایف آئی سی سے ہوئی۔منیر نیّر ۱۳ جون ۱۹۷۸ء کو روزگار کی خاطر سعودی عرب چلے گئے۔سعودی عرب میں اے ٹی اینڈ ٹی، کیٹل اور نوکیا کمپنیوں میں پروجیکٹ کوارڈینیٹر اور پراجیکٹ مینیجر خدمات سرانجام دیتے رہے۔ان کی خدمات کے اعتراف میں ۲۰۱۸ء میں نوکیا لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ سے نوازا گیا۔اس دوران کمپنی اور سعودی سرکار کی طرف سے انہیں طبی سہولیات میسر رہیں۔

ادھر مشتاق قمر نے شالیمار سٹریٹ مغل آباد سے نورانی سٹریٹ اور پھر عارف کریانہ سٹور والی گلی میں کرائے کے مکانوں میں رہائش اختیار کر لی اور بالآخر مشتاق قمر نے قائدآباد میں زمین کا قطعہ لے کر تین مکانات تعمیر کرائے۔ایک میں خود رہے۔ایک میں ان کے داماد طاہر محمود اور ایک میں بھائی منیر نیّر نے رہائش اختیار کی۔کچھ عرصہ منیر نیر کی فیملی یہاں رہنے کے بعد سعودیہ روانہ ہوگئی تو انہوں نے اپنا مکان اپنے بھانجے معروف شاعر محمد مسعود ہاشمی کو کرایہ پر دے دیا۔بعد میں منیر نیّر نے غازی آباد روڈ پر مکان بنالیا اور یہ مکان اپنی بھانجی اور مسعود ہاشمی کی بہن کے ہاں فروخت کر دیا۔بدقسمتی سے منیر نیر کے صاحبزادے عمران کو کاروبار میں نقصان ہوا تو منیر نیر کو غازی آباد روڈ والا مکان بھی فروخت کرنا پڑ گیا۔مشتاق قمر کے بھانجے اور داماد طاہر محمود نے بھی اپنا مکان فروخت کر دیا اور چکری روڈ پر کرایہ کے مکان میں منتقل ہو گئے ہیں۔مشتاق قمر کے مکان میں ان کے صاحبزادے فواد مشتاق رہتے ہیں اور اس مکان کے کچھ حصے میں ان کی بڑی بہن اور بھانجے رہائش پذیر ہیں۔

آج یہ مضمون تحریر کر رہا ہوں تو مجھے چند واقعات یاد آ گئے ہیں۔۵ دسمبر ۱۹۸۳ء کو بسلسلہ ملازمت تبوک سعودی عرب روانگی ہوئی اور ۲۷ نومبر ۱۹۸۴ء کو واپسی ہوگئی۔اس ایک سالہ قیام کے دوران اللہ تعالیٰ نے مجھے کئی بار عمرے کرنے کی سعادت نصیب فرمائی۔۱۹۸۴ء میں تبوک سے بذریعہ سڑک ہمارا قافلہ عمرے کے لیے روانہ ہوا تو آخری عشرہ اور عید مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں گزارنے کی اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی۔اس دوران ایک ہوٹل کے باہر ماموں منیر نیر سے اچانک ملاقات ہوگئی وہ چند دوستوں کے ہمراہ مجھے بھی ہوٹل میں لے گئے اور ہم نے مل کر کھانا تناول فرمایا۔یہ مختصر سی ملاقات بھی پردیس میں غنیمت تھی۔ اس دوران حج کی دعائیں کرتا رہا لیکن حج کی سعادت سے محروم رہا۔۱۹۸۴ء میں رمضان المبارک وہاں گزارنے کی صورت میں حج پر نہ جاسکا۔خیال تھا کہ اگلے سال والدین کو بلا کر اکٹھے حج کریں گے لیکن چند ناگزیر وجوہات کی بنا پر قبل از وقت واپس آنا پڑ گیا۔اس طرح ۲۶ سال بعد ۱۶ اکتوبر ۲۰۱۰ء سے ۲۷ نومبر ۲۰۱۰ء حج کی سعادت نصیب ہوئی تو ماموں منیر نیر کا ٹیلی فون آ گیا کہ ہمیں ریاض سے مکہ مکرمہ آنے کی اجازت نہیں مل رہی اس لیے ملاقات نہیں ہو سکے گی۔بہرحال انہوں نے بڑی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے مبارک باد پیش کی۔ان دنوں ڈاکٹر گوہر نوشاہی وفاقی جامعہ اُردو اسلام آباد کیمپس میں مہمان پروفیسر کی حیثیت سے پڑھا رہے تھے۔انہوں نے حج کی مبارک باد پیش کی تو میں نے انہیں یہ واقعہ سنا دیا تو کہنے لگے آپ کی یہ دعا راستے میں رہ گئی تھی جو ۲۶ سال بعد آسمانوں تک پہنچ کر قبولیت سے سرفراز ہوئی۔دراصل میں نے جتنی بھی دعائیں حج اور عمرے کے دوران کی ہیں اللہ رب العزت نے انہیں شرف قبولیت سے نوازا ہے۔اُن مقدس مقامات پر جانے کے بعد بار بار حاضری کی تڑپ میں اضافہ ہوتا رہا۔اس طرح ۱۳ اپریل ۲۰۰۷ء سے ۴ مئی ۲۰۱۷ء تک عمرے کی ادائیگی کے لیے اپنے بیوی بچے کے ساتھ چھوٹی بہن اور پھوپھی ہمراہ تھیں جن کے عمرے کا انتظام میرے برادر بزرگ محمد نسیم انجم نے کیا تھا اور میری چچی ساس بھی جو گاؤں کی زمین بیچ کر عمرے کے لیے ہمارے ساتھ تھیں۔اس دوران ماموں منیر نیر سے ٹیلی فون پر ہی رابطہ رہا۔وہ جب بھی پاکستان

تشریف لاتے تو کہیں نہ کہیں ملاقات ہو جاتی۔ ان کے قیام سعودیہ کے دوران خط و کتابت کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ سعودی عرب میں اپنی اہلیہ اور بچوں کی بیماریوں اور معاشی مسائل سے ان کی تخلیقی صلاحیتیں ماند پڑ گئیں۔ ۲۷ اپریل ۱۹۹۴ء کے مکتوب میں رقم طراز ہیں:

> ''بچے خیریت سے ریاض پہنچ گئے تھے۔ آتے ہی آپ کی ممانی بیمار پڑ گئی۔ دو دن اور فرخ نے چائے کی گرم پیالی سے اپنی پوری ٹانگ جلا لی۔ عائدہ ہسپتال میں آپریشن کے لیے داخل ہوئی لیکن کل ۲۶ اپریل کو اُسے ڈسچارج کر دیا گیا کیونکہ خسرہ نکل آیا تھا اور اس حالت میں آپریشن ممکن نہیں تھا۔ اب ۲۹ مئی کی تاریخ ملی ہے آپریشن کے لیے......''(۵)

انہیں اور بچوں کو دل کا عارضہ تھا۔ ان کی بڑی بیٹی منزہ کا پاکستان میں اے ایف آئی سی سے اوپن ہارٹ سرجری ہو چکی تھی۔ عمران کو دل میں سوراخ کی وجہ سے کافی عرصہ دوائیں کھانی پڑیں۔ عائدہ اور فرخ بھی دل کے مرض میں مبتلا تھے جبکہ ممانی یاسمین کو گردوں کا مرض لاحق تھا۔ ایک خط محررہ ۳۰ جنوری ۱۹۹۵ء میں تحریر کرتے ہیں:

> ''برادرم عبدالقیوم سے آپ کو پتہ چل ہی گیا ہوگا کہ میری طبیعت بہت ناساز رہی۔ دوبارہ ہسپتال میں بھی داخل ہونا پڑا۔ ٹیوٹ ٹیسٹ کے بعد blasting کے عمل سے بھی گزرنا پڑا۔ میرے دل کی تین نالیاں مکمل طور پر بند ہوگئی تھیں۔ چوتھی نالی بھی ۶۵ فی صد بلاک ہوگئی تھی جس کی وجہ سے چلنے پھرنے میں بے حد دشواری ہو رہی تھی۔ دفتر کا نام بھی بمشکل یاد کر پا رہا تھا۔ بہرحال الحمدللہ کہ اب بہت بہتر ہوں۔ نہ سانس لینے میں دقت محسوس ہوتی ہے اور نہ ہی کام کاج میں۔ البتہ یہ علاج ممکن ہے عارضی ثابت ہو۔ اگر دوبارہ یہی تکلیف شروع ہوگی تو پھر لازماً اوپن ہارٹ سرجری ہی ہوگی۔ بس اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ پردیس میں ہر مشکل سے محفوظ رکھے۔''(۶)

مذکورہ خط میں عبدالقیوم کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ میرے ماموں عبدالقیوم، منیر نیر کے ماموں زاد بھائی تھے۔ ان دونوں میں بہت گہری دوستی بھی تھی۔ ایک خط محررہ ۲۹ ستمبر ۱۹۹۷ء میں عائدہ کے آپریشن کے بارے میں رقم طراز ہیں:

> ''عمران واپس آ گیا ہے اور آتے ہی بیمار پڑ گیا۔ اسے ٹائیفائیڈ ہو گیا تھا۔ اب الحمدللہ بہتر ہے۔ البتہ کمزور ہو گیا ہے۔ عائدہ کا اوپن ہارٹ آپریشن ۱۶ ستمبر کو ہوا تھا اور اب بہتر ہو رہی ہے۔ ابھی کہیں آنے جانے کے قابل نہیں ہو سکی۔ اسکول بھی نہیں جا رہی......''(۷)

میں انہیں اکثر کتابیں اور رسالے بھیجتا رہتا تھا۔ ایک دفعہ اختر رضا سلیمی (کیکوٹی) کی پہلی کتاب ''حیات فی القبر'' بھیجی جس کا دیباچہ میں نے تحریر کیا تھا۔ اپنے خط محررہ ۱۲۷ اگست ۱۹۹۶ء میں تحریر کرتے ہیں:

> ''......آپ کے رسائل اور کتاب ''حیات فی القبر'' مل گئی ہے۔ یاسمین کی وجہ سے اتنا اپ سیٹ ہوں کہ ابھی رسائل صرف سرسری نگاہ سے دیکھے ہیں۔ انشاءاللہ مطالعہ کرنے کے بعد ضرور اپنی رائے دوں گا۔ یاسمین ہسپتال سے فارغ ہو کر کل ہی واپس آئی ہے۔ بخار اور درد کا تو آرام ہے لیکن اصل مسئلہ ابھی حل نہیں ہوا۔ ایک تو یہ کہ Kidney کے ساتھ ایک

tumour نکل آیا تھا دوبارہ تو نہیں نکلے گا اور اس کی رینج کتنی ہے نیز کڈنی کو تو نقصان نہیں پہنچا۔ شوگر کی وجہ سے زخم مندمل نہیں ہو رہا۔ اس کے بعد پتے کا آپریشن کروانا پڑے گا۔ بہرحال الحمدللہ کہ جس کرب میں یاسمین دو ماہ سے مبتلا تھیں وہ تو ختم ہوا۔ اب بخار اور درد میں خاصا افاقہ ہے۔ بس دعا کریں اللہ تعالیٰ اپنا فضل و کرم کریں......"(۸)

۱۹۹۴ء میں پہلی کتاب "اقبال کا ذہنی و فنی ارتقا" ترتیب دے رہا تھا تو ان کے گھر والے سعودیہ جا رہے تھے تو ان کی بیگم یاسمین اختر کی وساطت پیغام بھیجا جس کے جواب میں ۱۲۷پریل ۱۹۹۴ء کے مکتوب میں رقم طراز ہیں:

"آپ کا پیغام مل گیا تھا۔ یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ آپ کوئی کتاب مرتب کر رہے ہیں۔ آپ کی ممانی نے مجھے تفصیل تو نہیں بتائی کہ کس نوعیت کی کتاب ہے اور کس مقصد کے لئے۔ اس لئے میں کچھ صحیح طور پر سمجھ نہیں پا رہا۔ البتہ اپنی ادبی زندگی کے بارے میں مختصر سی تحریر پیش کر رہا ہوں اس کے ساتھ انگلش میں "ڈوبتے سورج" کے عنوان سے ایک نظم جو یہاں The Arab News میں کبھی چھپی تھی اس کی ایک کاپی بھجوا رہا ہوں۔ انگلش میں اور بھی بہت سی نظمیں لکھی ہیں جن میں سے کچھ تو شائع ہوئیں اور کچھ یوں ہی پڑی ہوئی ہیں۔ انگلش میں ہی چند افسانے بھی لکھے ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) سماجی افسانہ The Life

(۲) سیاسی افسانہ Sky Lab

(۳) جنگی افسانہ March On

March On افسانہ نیرنگِ خیال میں اُردو ترجمہ کے ساتھ "آگے بڑھو" کے عنوان سے بہت پہلے شائع ہو چکا ہے۔ اُردو میں لکھے گئے باقی افسانوں کے بارے میں تو شاید آپ کو تھوڑی بہت واقفیت ہی ہو جن میں کچھ سماجی، سیاسی اور جنگی افسانے تھے جو ہلال راولپنڈی، نیرنگ خیال راولپنڈی، ASC Journal میں ایک جنگی افسانے کو پہلا انعام بھی ملا تھا جس کا نام تھا "لہو کے چراغ"۔ کئی افسانے ایسے ہیں جن کے نام اور اتا پتہ بھی بھول گیا ہوں کہ کب اور کہاں شائع ہوئے تھے۔ اگر پرانا دفتر کھولوں تو شاید کچھ کی کٹنگ بھی مل جائے۔"(۹)

منیر نیر اُردو اور انگریزی افسانے اور مضامین کے ساتھ انگریزی نظمیں تحریر کرتے رہے۔ ان کی انگریزی نظم "Musings on the last sunset" دی عرب نیوز سعودیہ میں شائع ہوئی ملاحظہ کیجئے:

It is the last day of the year,
Sun is approaching the zenith quite near.
Do you know what crosses the dying sun's mind?
Perhaps that life is very dear.

Yes! if it has something better for mankind,
If it does not smear,
Noble causes, lofty ideas and peace efforts,
For such a life death has no fear.

I see a shadow above the sky.
No sign of pains, no cry.
All of a sudden something appears and
Wishes to prevail over the dying life,
I perceive ! I perceive.
But nothing is there,
Except the scarlet drops of blood scattered everywhere
"No mourning, no tear,
Over my death," I hear the last sun' sigh.

I lived as a power, as a might.
Throughout the year,
When you got tired of darkness,
When you began to shiver with cold,
When your crops, your fruits went waste,
And you shed tears because of starvation fears…
It was I, who smashed idols of the night.
Which dried your tears?
I put my rays, my energy and my life,
Into your crops, your fruits which got ripe,
And made them useful for starving humanity,
It was only I, my dear.

While tresses of darkness were spread over the sky,

It was the signal of last sun's life.
Then I heard whispering somebody, so high.
"Everyone who takes birth, has to die"
These beautiful girls, glorious ladies and men, smiling at me,
Are all substantial elements of the world?
Who have to die?
Except those who lived as I did
Good-bye, Good-bye, Good-bye.

مذکورہ خط سے کچھ معلومات اپنی اولین کتاب ''اقبال کا ذہنی وفنی ارتقاء'' میں شامل کر لی تھیں(۱۰)۔ اپنے خط محررہ ۳۰ جنوری ۱۹۹۵ء میں رقم طراز ہیں:

> ''......آپ کی کتاب ابھی تک مجھے نہیں ملی۔ گو یہ کتاب جدہ پہنچ چکی ہے لیکن جدہ سے ریاض تک نہ آ سکی۔ اب ۱۳ فروری کو انشاءاللہ عمرہ کرنے جائیں گے تو جدہ سے کتاب لیتے آؤں گا۔ کتاب کی مبارک باد میں نے اس لئے نہیں دی کہ میرا خیال تھا کتاب پڑھنے کے بعد تبصرہ بھی کروں گا بہرحال تبصرہ تو اب بعد میں ہوتا رہے گا ابھی تو ہم سب گھر والوں کی طرف سے آپ کو بہت بہت مبارک۔ غالباً ہمارے خاندان میں آپ تیسرے فرد ہیں جو رائٹر بن گئے۔ بڑی ہی خوشی ہوئی۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ......''(۱۱)

اللہ تعالیٰ نے منیر نیر، ان کی بیگم یاسمین اختر اور بچوں کو کئی بار حج اور عمرے کی سعادتوں سے نوازا ہے۔ ہمارے خاندان میں مجھ سے پہلے لکھنے والوں میں مولوی محمد عالم، عاشق الٰہی محمود نظامی، آر۔ ایم یونس ایڈووکیٹ، مشتاق قمر، منیر نیر اور ان کی بیگم یاسمین اختر کے نام سرفہرست ہیں۔ منیر نیر اپنے خطوط میں میری حوصلہ افزائی بھی کرتے تھے اور اپنے گھریلو حالات کے بارے میں بھی آگاہ کرتے رہتے تھے۔ ایک خط محررہ ۲۵ اپریل ۱۹۹۵ء میں رقم طراز ہیں:

> ''......اتنی اچھی کتاب لکھنے پر ہم سب کی طرف سے مبارک بادی قبول کریں۔ یقیناً یہ ہم سب کے لئے قابلِ فخر بات ہے۔ میں اس کتاب پر Review لکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں اور انشاءاللہ پہلی ہی فرصت میں یہ کام کروں گا۔ آپ خط کے ذریعے تازہ حالات یعنی اپنی تازہ ادبی کاوشوں سے روشناس کروائیں تاکہ Review میں انہیں بھی شامل کیا جا سکے۔ یہاں ہر طرح سے خیریت ہے۔ بچے سارے امتحانوں میں مصروف ہیں۔ عائدہ کا رزلٹ آ گیا ہے۔ ماشاءاللہ بہت اچھے نمبروں سے پاس ہوگئی ہے جس کی توقع نہیں تھی کیونکہ بیچاری ایک دن اسکول جاتی تھی تو تین دن بیمار رہتی تھی۔ پھر بھی بہت اچھے نمبر لائی ہے۔ عمران میٹرک کا امتحان دے رہا ہے۔ صرف دو پریکٹیکل باقی رہ گئے ہیں اور منزہ کے فرسٹ ایئر کے امتحان ۲۹ اپریل سے شروع ہو رہے ہیں۔ میری صحت الحمد اللہ بہت بہتر ہے البتہ فرخ کبھی تو

improve کرنے لگتا ہے اور کبھی صحت بہت گر جاتی ہے۔ ہنوز پرانی دوائیں ہی استعمال کروا رہے ہیں۔ انشاء اللہ اگست سے امید ہے بہتر ہو جائے گا۔'' (۱۲)

فرخ کا کافی عرصہ علاج معالجہ ہوتا رہا بالآخر ۲۲ سال کی عمر میں ۲۵ مئی ۲۰۱۱ء کو خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ انہیں ریاض میں ہی دفن کیا گیا۔ فرخ کے کاغذات میں عمر منیر لکھا ہوا ہے جبکہ انہیں عمر اور فرخ کے ناموں سے پکارا جاتا تھا۔

میری دوسری کتاب ''اقبال کے افکار و نظریات'' نومبر ۱۹۹۴ء میں شائع ہوئی جو انہیں بھیجی تو اپنے خط محررہ ۲۱ ستمبر ۱۹۹۵ء میں رقم طراز ہیں:

''......آپ کی ارسال کردہ دونوں کتابیں میں نے پڑھ لی ہیں۔ ماشاء اللہ خاصی اچھی کتابیں ہیں۔ میں ان پر تبصرہ بھی لکھنا چاہتا ہوں۔ انشاء اللہ جلد ہی لکھوں گا اور یہاں ایک مقامی پرچے میں بھیجوں گا۔ اشاعت پذیر ہونے کے بعد آپ کو بھی اس کی ایک کاپی بھیجوں گا۔ آپ غالباً ایک تیسری کتاب کی اشاعت کی تیاریاں کر رہے تھے۔ یہ تخلیقی کام اب تک کس مرحلے میں پہنچا ہے۔ جوابی خط ضرور لکھیں......'' (۱۳)

منیر نیر اپنی مصروفیات اور اہلیہ بچوں کی بیماری کی وجہ سے تبصرہ تحریر نہ کر سکے لیکن ان کے تبصرے اور مضامین نیرنگِ خیال میں شائع ہوتے رہے۔ ان میں مسعود مفتی کی کتاب ''چہرے'' (۱۴) اور فرخندہ لودھی کی کتاب ''شہر کے لوگ'' پر تبصرے شامل ہیں (۱۵)۔

ایک خط محررہ ۲۴ جون ۱۹۹۶ء میں رقم طراز ہیں:

''......دراصل گزشتہ کئی مہینوں سے بے حد مصروفیت رہی۔ مصروفیت سے زیادہ بے سکونی اور سستی زیادہ دامن گیر رہی۔ اس دوران میں کئی ایک ایسے ذاتی کام جو مجھے کرنے چاہئے تھے وہ بھی نہ کر سکا......'' (۱۶)

ایک خط محررہ ۱۲۷ اگست ۱۹۹۶ء میں رقم طراز ہیں:

''......یہ پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی کہ آپ ایم فل کر رہے ہیں۔ خدا کرے آپ روز افزوں ترقی کریں اور ادب کے آسمان پر ہمیشہ روشن اور قائد ستارے کی طرح نمودار رہیں۔ آمین۔ آپ نے لکھا ہے کہ ہفت روزہ ''اخبارِ علماء'' میں بھائی مشتاق مرحوم پر کوئی مضمون لکھا ہے۔ اگر ان کی کاپیاں مہیا ہو سکیں تو مہربانی ہوگی۔ بھائی مرحوم کا ایک غیر مطبوعہ افسانہ ''سقراط'' میرے پاس ہے میں اگر اسے تلاش کر سکا تو آپ کو اِسی خط کے ساتھ بھجوا دوں گا، ورنہ انشاء اللہ اگلے خط میں......مرحوم بھائی مشتاق قمر کے خطوط مجھے ذرا کم ہی آتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک گھر، اور فیملی سسٹم ہونے کی وجہ سے خط و کتابت طاہر محمود کیا کرتا تھا۔ البتہ جب وہ سمجھتے کہ کوئی نہایت اہم گھریلو یا ذاتی مسئلہ ہے تو وہ خود رقم طراز ہوتے تھے۔ ان کے خطوط تو تلف ہو چکے ہیں لیکن ان کے خطوط کی چند باتیں میرے ذہن سے کبھی تلف نہ

ہوئیں اور شاید نہ کبھی تلف ہو سکیں۔ شروع کے خطوط میں ان کے ایک خط کا جملہ مجھے بہت یاد آتا ہے۔ غالبًا یہ جملہ انہوں نے اس ضمن میں لکھا تھا کہ میں کہیں نئے ملک اور نئے حالات سے پریشان نہ ہو جاؤں۔ انہوں نے لکھا تھا: ''مشکلات اور تنگ دستی اس سرزمین (سعودی عرب) کی روایت میں شامل ہے۔ ۱۹۷۸ء کا یہ جُملہ وقت کے ساتھ ساتھ اپنی حقیقت منواتا چلا آیا ہے۔ اب سوچتا ہوں تو لگتا ہے کہ مرحوم بھائی کا اندازِ فکر اور مطالعہ کتنا گہرا اور وسیع تھا۔

۱۹۸۶ء کا واقعہ ہے کہ میرا نومولود بچہ منصور زندگی کے صرف چار دن اس جہانِ فانی میں گزار کر اپنے حقیقی ربّ سے جاملا۔ چند دن بعد بھائی صاحب کا خط آیا اور انہوں نے لکھا کہ جس دن منصور کی وفات ہوئی اُس دن سحری سے ذرا قبل میں نے خواب دیکھا کہ اُن کے مکان کی چھت ٹوٹ رہی ہے۔ اس پر انہیں خاصا غصہ آیا اور کہنے لگے کہ صبح ہوتے ہی سعید (جس نے ان کا مکان بنوایا تھا اُس ٹھیکیدار کا نام) کو بلوا کر دکھاؤں گا کہ اُس نے کتنا گندا کام کیا تھا۔ لیکن صبح ابھی پوری طرح ہوئی بھی نہیں تھی جب انہیں میرے بچے کی وفات کی خبر ملی۔ کہتے ہیں کہ انہیں ان کی خواب کی تعبیر اُسی دن مل گئی اور پھر لکھتے ہیں...... ''اصل میں ساری ہی چھتیں کچی ہوتی ہیں، کوئی سو سال بعد گرتی ہے، کوئی پچاس سال میں کوئی چالیس سال میں اور کوئی بس چار ہی دنوں میں گر جاتی ہے۔'' انجم لکھنے کو تو ابھی بہت کچھ ہے لیکن اس سے زیادہ لکھا نہیں جاتا۔ موضوع ہی ایسا چھڑ گیا کہ قلم ساتھ نہیں دے رہا۔ حکیم یوسف حسن کے بارے میں، میں دو چار دنوں میں خط لکھوں گا۔ اتفاق سے بھائی مرحوم کے ایک افسانے کے ساتھ ایک ڈرامہ بھی مل گیا جو پنجابی میں لکھا گیا تھا۔ دونوں کی ایک ایک کاپی بھجوا رہا ہوں......''(۱۷)

منیر نیر نے مشتاق قمر کا افسانہ ''سقراط'' اور پنجابی ڈرامہ ''لیکھ'' بھیجا تو میں نے ان تحریروں کو اپنی مرتبہ کتاب ''مشتاق قمر کے ڈرامے'' میں شائع کر دیا(۱۸)۔ اس کتاب کے انتساب میں منیر نیر کے مرحوم صاحبزادے منصور بھی شامل ہیں اور منیر نیر کے مذکورہ بالا دونوں خطوط سے اقتباسات لے کر'' کچھ یادیں کچھ باتیں'' کے عنوان سے دیباچہ بھی ''مشتاق قمر کے ڈرامے'' میں شامل کر دیا ہے(۱۹)۔ ۱۹ستمبر ۱۹۹۶ء کا خط گزشتہ خط کا تسلسل ہے اس میں رقم طراز ہیں:

''......آپ کے بھجوائے ہوئے جرائد اور کتابوں کا بہت بہت شکریہ! دیارِ غیر میں آپ مجھے وطن سے جس طرح منطبق رکھ رہے ہیں اس کے لئے میرے پاس شکریہ کے الفاظ نہیں ہیں۔ جس طرح سائنس کی رو سے ہر مادہ اپنے کل کی خصوصیات اپنے اندر رکھتا ہے بالکل اسی طرح ہر انسان اپنے وطن کی مٹی کی بُو باس اور خصوصیات اپنے اندر جذب کئے ہوئے ہے۔ ان رسائل میں چند بہت ہی پرانے دوستوں سے بھی ملاقات ہو گئی مثلاً زہیر کنجاہی، سلطان رشک اور دیگر بہت سے...... یہ بات بڑی خوش آئند ہے کہ آپ مرحوم حکیم یوسف

حسن پر معلومات اکٹھی کر رہے ہیں۔ مرحوم یوسف حسن ہمارے لئے ایک تاریخ کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان کے خواص ان کی عادات اور افکار ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔ جب مرحوم یوسف حسن کا ذکر آئے گا تو ''نیرنگِ خیال'' از خود آشکارا ہو جائے گا اور جب ''نیرنگِ خیال'' پر نظر پڑے گی تو مرحوم یوسف حسن خود بخود زندہ ہو جائیں گے۔ ادب کی جو شمع انہوں نے قبل از آزادی روشن کی تھی وہ آج بھی فروزاں ہے اور اسے جلائے رکھنے کا عمل جاری رکھنے کا سہرا بلاشبہ محترم سلطان رشک کے سر جاتا ہے۔

حکیم یوسف حسن بلاشبہ اُن تاریخ ساز شخصیات میں سے ایک تھے جو کم از کم آنے والی صدی تک تو کبھی بھی فراموش نہیں کئے جا سکتے بلکہ اُردو ادب جب تک ہمارے ملک میں قائم و دائم رہے گا مرحوم یوسف حسن کی شخصیت تب تک تابندہ رہے گی۔ راقم کا مرحوم یوسف حسن سے صرف ادبی تعلق ہی نہیں تھا بلکہ ذاتی مراسم بھی تھے۔ مجھے یاد ہے سردیوں کی ایک شام میں اُن سے ملنے گیا تو وہ بڑے تپاک سے ملے۔ اس وقت وہ اپنے مطب خانہ میں تھے۔ چھوٹتے ہی انہوں نے میرے افسانے ''درد کا شہر'' پر تبصرہ شروع کر دیا۔ ویسے تو ہر تخلیق کار کو اپنی تخلیق پیاری ہوتی ہے اور بے حد اچھی لگتی ہے لیکن جب حکیم صاحب نے بھی اسے اچھا ہونے کی سند سے نوازا تو مجھے واقعی یہ افسانہ اچھا لگا۔ ادب، شاعری اور حالات پر سیر حاصل تبصرہ کرنے کے بعد میں جس مقصد کے لئے گیا تھا بیان کیا۔ اس پر وہ بے ساختہ ہنس پڑے۔ کہنے لگے سلطان رشک کو بھی یہی بیماری ہے۔ اس کا علاج صرف احتیاط ہے۔ بہر حال انہوں نے داد دی۔ اور جب میں مطب خانہ سے باہر نکلا تو روح اور جسم دونوں ہلکا پھلکا محسوس کر رہے تھے۔ میری آدھی بیماری ان کی تسلی و تشفی سے ہی دور ہو گئی تھی۔ پھر ہم میں یہ لامتناعی سلسلہ ملاقات چل نکلا کیونکہ میں نے ان کی نواسی کو ٹیوشن پڑھانا بھی شروع کر دیا تھا۔ یعنی ہر دوسرے تیسرے دن ملاقات ہو جاتی۔ اسی اثناء میں مرحوم قیوم اسد جو میرے ساتھ حکیم صاحب سے ملنے گیا تھا مرحوم قیوم اسد (ڈھوک للیال۔ صابر کے رشتہ داروں میں سے تھے) بہت اچھے افسانہ نگار تھے۔ جب پہلی بار قیوم اسد حکیم صاحب سے مل کر لوٹے تو کہنے لگا ''یار! آج ایک بہت اچھے انسان سے ملاقات ہوئی۔'' اُن کا اشارہ حکیم صاحب کی طرف تھا۔ موسموں کا تغیر و تبدل، دن رات کا بدلنا اور سورج کے طلوع و غروب کا تعلق انسانی زندگی سے کس قدر گہرا ہے اس کا ثبوت میرے سامنے پڑی ہوئی دو تصاویر ہیں۔ ایک تصویر مرحوم صوبیدار محبوب عالم (میرے سُسر) کی ہے جس میں صبح شام کا منظر، جوانی اور بڑھاپے کی عکاسی کرتا ہے۔ یعنی سُوٹ بُوٹ میں ملبوس عنفوانِ شباب کی تصویر اور دوسری طرف بڑھاپے کی تصویر۔ دونوں عکس ایک دوسرے سے کس قدر مختلف ہیں الفاظ اس فرق کو اپنے احاطے میں نہیں لا سکتے۔ اور دوسری تصویر مرحوم حکیم یوسف حسن کی ہے جس میں ایک

طرف تو وہ عروجِ شباب پر ہیں اور دوسری طرف بڑھاپے کا عکس جھلکتا نظر آتا ہے۔ دونوں عکس عروج وزوال اور بے ثباتیِ دنیا کی جیتی جاگتی تصویر پیش کرتے ہیں۔ ہر عروج وزوال ایک ایسی حقیقت ہے جسے کبھی بھی کسی بھی دور میں جھٹلایا نہیں جا سکتا۔

بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ حکیم مرحوم یوسف حسن صاحب نے اگر مزاح نگاری کو باقاعدہ اپنی تخلیقات کا حصہ نہیں بنایا تو بھی اُن کے اندر ایک قدِ قامت مزاح نگار موجود تھا۔ مجھے ایک واقعہ یاد ہے۔ اُس دن راولپنڈی کلب میں ''نیرنگِ خیال'' کے زیرِ انتظام ایک مشاعرہ ہو رہا تھا۔ بڑے گیٹ سے باہر میں، جناب سلطان رشک اور مرحوم حکیم صاحب کھڑے تھے۔ آنے والے تمام حضرات کا تعارف جناب سلطان رشک کروا رہے تھے۔ ایک صاحبہ آئیں جن کا تعارف سلطان رشک نے یوں کروایا ''یہ محترمہ...... فناؔ ہیں''۔ جب وہ چلی گئیں تو بڑے ہلکے انداز میں حکیم صاحب نے پوچھا ''یہ محترمہ فناؔ ہیں یا فنا کرتی ہیں''۔ اس پر ایک زوردار قہقہہ لگا۔ گو اس وقت تو اس مزاح کا جواب نہیں ملا تھا مگر آج پچیس تیس سال بعد یقیناً جواب حاضر ہے کہ ہر فنا کرنے والی چیز کبھی نہ کبھی ضرور فنا ہو جاتی ہے۔...... باقی آئندہ۔ ویسے بھی حکیم مرحوم کی شخصیت پر لکھنے کے لئے ایک طویل عرصہ چاہیے۔ 'آہ کو چاہیے اک عمر اثر ہونے تک'' (۲۰)

مذکورہ خط کے اقتباسات میرے ایم فِل مقالہ میں شامل ہیں جو بعد میں ''اقبالیات نیرنگِ خیال'' کے عنوان سے شائع ہو گیا ہے۔ (۲۱)

ایم فِل کی تحقیق کے دوران نیرنگِ خیال سے مشتاق قمر اور منیر نیر کی کافی تحریریں بازیاب ہوئیں۔ منیر نیر کا افسانہ ''درد کا شہر (۲۲) دستیاب ہوا جو منیر نیر کے اس مجموعہ میں شامل ہے۔

خط کے آخر میں محترمہ فناؔ کا ذکر آیا ہے۔ یہ محترمہ پروین فناؔ سید معروف شاعرہ تھیں جو ۳ ستمبر ۱۹۳۶ء کو لاہور میں پیدا ہوئی۔ گوجرانوالہ سے میٹرک کے بعد ۱۹۵۳ء میں لاہور کالج برائے خواتین سے بی اے کیا۔ طالب علمی کے دوران شعر گوئی کا آغاز کیا۔ طویل علالت کے بعد ۱۲۷ اکتوبر ۲۰۱۰ء کو کراچی میں وفات پائی اور ۱۲۸ اکتوبر کو علی باغ شاہ خراساں قبرستان میں انھیں دفن کیا گیا۔ ان کی مشہور کتب میں حرف وفا، تمنا کا دوسرا قدم اور یقین ہیں (۲۳)۔

میں نے ان کے برادرِ نسبتی محمد عالم قریشی جو ان دنوں سعودیہ میں مقیم تھے ان کے ہاتھ کچھ چیزیں بھیجیں تو منیر نیر نے اپنے خط محررہ ۱۷ مئی ۱۹۹۷ء میں تحریر کیا:

''......خط بھائی عالم نے لاکر دیا ہے۔ آپ کی بھیجی ہوئی چیزیں مل گئی ہیں۔ رسائل میں کچھ پرانے نام بھی دیکھے جن کے بارے میں عرصہ دراز سے معلوم کرنے کی آرزو تھی مثلاً نذیر پارس اور زہیر کنجاہی۔ ماشاءاللہ آپ دن بہ دن علم وادب میں ترقی کر رہے ہیں اور اپنا اور اپنے خاندان کا نام روشن کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا گو ہوں کہ آپ اس میدان میں خوب خوب ترقی کریں اور نام روشن کردیں۔'' (۲۴)

منیر نیر کا خط محررہ ۲۴ جون ۱۹۹۷ء ان کے صاحبزادے عمران سے موصول ہوا۔ اس میں انہوں نے اپنی نظموں اور افسانوں کی کتاب کے بارے میں تحریر کیا:

> ''......میں نے سوچا تھا کہ عمران کے ہاتھ اپنی انگلش نظموں اور افسانوں کی کتاب بھی آپ کو بھجواؤں گا مگر تا حال یہ کمپائلنگ کے مراحل میں ہے یعنی میں خود ہی اسے کمپیوٹر پر کمپائل کر رہا ہوں۔ جب بھی انشاء اللہ تیار ہوئی ایک کاپی آپ کو بھجوا دوں گا۔ آپ کی تازہ تخلیقات کا شدت سے انتظار رہتا ہے۔ غمِ دوراں سے جب بھی فرصت ملی انہیں دوبارہ پڑھوں گا۔ آپ ''خاندان'' پر جو تاریخ مرتب کر رہے ہیں یہ ایک دستاویز کی سی حیثیت حاصل کرتی جا رہی ہے۔ جس عرق ریزی اور جانفشانی سے اس تخلیقی کام کو آپ سرانجام دے رہے ہیں بسا اوقات اس پر حیرت ہوتی ہے۔ آپ کی ڈاکٹریٹ کی کاوش اب کتنی دور ہے تاکہ ہم آپ کو ڈاکٹر وسیم انجم لکھ سکیں۔ جو نام آپ کے ماموں یعنی بھائی مشتاق قمر نے ادھورے چھوڑے تھے آپ یقیناً ان کی تکمیل کر رہے ہیں۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ اور زیادہ......'' (۲۵)

اپنی اور فیملی کی بیماری کی وجہ سے نامساعد حالات سے ان کا تخلیقی کام متاثر ہوتا رہا۔ اس دوران بیٹے منصور، فرخ اور زوجہ کی رحلت ایسے صدموں سے بھی گزرنا پڑا۔ آخر کار وفات سے چھ ماہ قبل طبیعت زیادہ خراب ہونے لگی۔ سعودیہ میں ٹیسٹ کرائے گئے لیکن بیماری کی تشخیص نہیں ہو رہی تھی تو بچوں سے کہنے لگے کہ شاید چھ ماہ سے زیادہ نہ جی سکوں گا۔ اس لیے مجھے پاکستان لے چلیں تاکہ میں اپنے رشتہ داروں سے مل سکوں۔ عائدہ دوبئی سے پہنچی اور عمران، منزہ انہیں سعودیہ سے پاکستان لے آئے اور مکان نمبر ۳۴ سٹریٹ ۴ سیکٹر اے سفاری ہومز فیز ۸ بحریہ ٹاؤن راولپنڈی میں کرائے کا مکان لے کر یہاں ۷ اپریل سے ۱۱ مئی ۲۰۱۹ء تک رہے۔ اس دوران منیر نیر کو پمز اسلام آباد کے آفیسر وارڈ میں داخل کرا دیا گیا۔ میری ان سے ایک ملاقات بحریہ ٹاؤن میں اور آخری ملاقات ۳ مئی ۲۰۱۹ء کو عصر کے بعد ہسپتال میں ہوئی اور میں وہاں پانچ بجے سے چھ بجے تک رہا۔ اس دوران منیر نیر کی صاحبزادیاں منزہ، عائدہ اور ان کے ہم زلف راجہ قمر زمان اور ان کے صاحبزادے بھی موجود تھے انہوں نے ہمارے سامنے وضو کر کے نماز پڑھی اور تصویریں بھی بنوائیں۔ آپ صوم و صلوٰۃ کے پابند تھے۔ اس دن بہت خوش نظر آ رہے تھے۔ یہاں ڈاکٹروں نے ٹیسٹ کرائے تو بلڈ کینسر کی بیماری تشخیص ہوئی جو جان لیوا ثابت ہوئی۔ آخری ملاقات میں انہوں نے چند افسانوں کا انتخاب ''ٹھنڈا سورج جلتا چاند'' کی ٹائپ شدہ کاپی دکھائی تو اس عنوان سے ان کی اہلیہ مرحومہ یاسمین اختر کا افسانہ بھی شامل تھا لیکن اسی عنوان سے ایک افسانہ مجھے ''نیرنگِ خیال'' کے شمارہ ۶۳۵ سال اشاعت ۷۵ واں سے بھی مطبوعہ شکل میں بھی مل گیا ہے (۲۶) جس کی کہانی اس سے مختلف ہے۔ اسی لیے میں نے مطبوعہ افسانے کو حصہ دوم میں شامل کر دیا ہے۔ اس طرح حصہ اول اور حصہ دوم میں یہ افسانے ایک ہی عنوان سے ہیں اور اسی عنوان سے منیر نیر نے اس مجموعہ کا نام بھی رکھا۔ منیر نیر نے ''ٹھنڈا سورج جلتا چاند'' کے سرورق پر مصنفین کے ناموں میں منیر نیر اور یاسمین اختر لکھا ہے۔ ان کی وفات کے بعد مجھے یہ مسودہ مشتاق قمر کے نواسے عبدالباسط قمر سے ملا تو اسے ازسرنو برادرم رحیم شاہ سے دوبارہ ٹائپ کرانا پڑ گیا کیونکہ وہ ایک علیحدہ ورجن میں تھا جس کی سیٹنگ نہیں ہو رہی تھی۔ اس طرح کتاب کا عنوان اور مصنفین کے ناموں سے حصہ اوّل میں منیر نیر کے ترتیب دیئے ہوئے افسانے ہیں اور انہوں نے اس کا انتساب اور مختصر دیباچہ بھی شامل تحریر کیا ہے۔ میں نے دیباچے کے مزید مضامین لکھوا کر

شامل کیے ہیں اور جن مطبوعہ افسانوں کے حوالے ملے ہیں وہ آخر میں تحریر کر دیئے ہیں جبکہ حصہ دوم میں وہ افسانے شامل ہیں جو مجھے دورانِ تحقیق ''ہلال'' اور ''نیرنگِ خیال'' سے ملے ہیں۔ان کا ایک افسانہ ''نیرنگِ خیال'' کے چینی افسانہ نمبر میں ''یاوَچیانگ کی قربانی'' شائع ہوا۔ یہ افسانہ ایچ ہٹس باول کے افسانہ کا ترجمہ ہے(۲۷)۔ایک افسانہ ''آج اور کل'' نیرنگِ خیال سے لے کر برادرم علی اصغر ثمر نے اپنے ماہنامہ ''صدرنگ'' میں قندِمکرر شائع کیا ہے(۲۸)۔افسانوں کے اس مجموعہ میں منیر نیر کے ''ہلال'' اور ''نیرنگِ خیال'' میں مطبوعہ افسانے شامل کیے ہیں جو مجھے دستیاب ہوئے ہیں۔تلاش کا یہ سلسلہ جاری ہے۔مزید افسانے ملنے پر کسی اور کتاب میں شامل کر دیئے جائیں گے۔انشاءاللہ۔منیر نیر کا اوائل دور کا ایک افسانہ ہفت روزہ ''ہلال'' میں ''چاندنی رات اور سائے'' شائع ہوا۔اس شمارے میں مدیر اور پبلشر زا کرام قمر نے اپنے اداریہ میں تحریر کیا:

> ''نوعمر افسانہ نگار منیر نیر نے جنگ ہی کے کینوس پر حب الوطنی کا ایک اور نقش ابھارا ہے۔''(۲۹)

منیر نیر نے اپنے ادبی سفر کا آغاز جنگ ۱۹۶۵ء سے شروع کیا اور ان کے افسانوں میں جنگی، سیاسی اور سماجی موضوعات شامل ہیں۔۱۹۶۵ء کی جنگ سے متاثر ہو کر ان کے بھائی مشتاق قمر کے افسانوں کا مجموعہ ''لہو اور مٹی''(۳۰) منظرِ عام ہوا اور منیر نیر بھی اپنے برادرِ بزرگ مشتاق قمر سے کافی متاثر تھے جس کا ذکر انہوں نے اس مجموعہ کے انتساب اور میرے نام خطوط میں برملا کیا ہے۔منیر نیر پاکستان میں ادبی سرگرمیوں میں بڑے فعال رہے۔انہوں نے راولپنڈی میں بزمِ تنویرِ ادب کی بنیاد رکھی تو زہیر کنجاہی کو اس کا صدر مقرر کیا اور خود سیکرٹری مقرر ہوئے۔اس سلسلے میں پروفیسر زہیر کنجاہی اپنے مضمون میں رقم طراز ہیں:

> ''مشتاق قمر کے ناول 'ایک دن کا آدمی' کے پسِ ورق میں سید باقر علیم نے جس پروگرام کا ذکر کیا ہے وہ تقریباً ۳۳،۳۴ سال پہلے بزم ''تنویرِ ادب'' راولپنڈی نے انجام دیا تھا۔اس بزم کا مستقل صدر راقم اور مشتاق قمر کے چھوٹے بھائی محمد منیر نیر سیکرٹری تھے)''(۳۱)

ممانی یاسمین اختر کے افسانے بھی ''نیرنگِ خیال'' کی زینت بنتے رہے۔ان کا ایک افسانہ ''رسموں کی سولی''(۳۲) ''نیرنگِ خیال'' سے دستیاب ہوا جو دوسرے حصے کے آخر میں شامل کر دیا ہے۔اس طرح پہلے حصے اور دوسرے حصے کے آخری افسانے یاسمین نیر کے تحریر کیے ہوئے ہیں۔

یاسمین نیر آخری عمر میں گردوں کے مرض میں ایسی مبتلا ہوئی کہ علاج کے لیے سعودیہ سے پاکستان آ گئی یہاں اے ایف آئی یو (سی ایم ایچ) میں گردوں کی صفائی ڈائلیسس ہوتے رہے۔بالآخر ۱۶ اپریل ۲۰۰۶ کو رحلت فرما گئی ''انا للّٰہ و انا الیہ راجعون''۔ان کی تدفین برف خانہ قبرستان مصریال روڈ میں کی گئی۔

منیر نیر اور یاسمین اختر کے افسانوں کے اس مجموعے کے دوسرے حصے میں منیر نیر کے افسانوں کی ترتیب رسائل میں اشاعتی تاریخوں کے مطابق رکھی گئی ہے۔اس طرح یہ مجموعہ منیر نیر کی رحلت کے بعد ان کی یاد میں شائع کیا جا رہا ہے۔

منیر نیر ۱۱ مئی ۲۰۱۹ء ۵ رمضان المبارک ۱۴۴۰ھ کو فوت ہوئے ''انا للّٰہ و انا الیہ راجعون''۔ان کی نمازِ جنازہ بحریہ ٹاؤن کے رفیع بلاک بحریہ سفاری ولاز کی جامع مسجد رفیع میں ۴ بجے ادا کرنے کے بعد انہیں عزیز آباد قبرستان میں مشتاق قمر کے پہلو میں دفن کیا گیا۔میں نے ان کی یاد میں اپنی مرتبہ کتاب ''انجم شناس''(۳۳) کو منیر نیر کے نام منسوب کیا ہے۔

''ٹھنڈا سورج جلتا چاند'' کے دیباچے میں ڈاکٹر زاہد حسن چغتائی کا مضمون ''کشتیاں ٹوٹ چکی ہیں'' شامل ہے۔

ڈاکٹر زاہد حسن چغتائی کی آج کل جامعہ اردو اسلام آباد کیمپس کے شعبہ اردو میں مہمان پروفیسر کے طور پر پڑھا رہے ہیں۔ڈاکٹر شگفتہ فردوس کا مضمون ''ٹھنڈا سورج جلتا چاند'' میں ''شبنم اور چنبیلی کی معلومات'' ہیں۔آپ جی سی وویمن یونیورسٹی سیالکوٹ میں اسسٹنٹ پروفیسر اور ناظمہ طلبہ امور ہیں۔ڈاکٹر محمد نوید کا مضمون ''ٹھنڈا سورج جلتا چاند'' دیباچے میں شامل ہے۔ڈاکٹر محمد نوید وفاقی جامعہ اردو اسلام آباد کیمپس میں اسسٹنٹ پروفیسر (آئی پی ایف پی)، نائب صدر ممتحن اور ڈرامیٹک کلب کے انچارج ہیں۔ڈاکٹر یاسمین کوثر نے مضمون بعنوان ''ٹھنڈا سورج جلتا چاند ایک جائزہ'' تحریر کیا ہے۔ڈاکٹر یاسمین کوثر نے وفاقی جامعہ اردو اسلام آباد سے پی ایچ ڈی مقالہ ''ادبی رسائل میں اقبال شناسی کی روایت'' مکمل کیا ہے اور آج کل جی سی وویمن یونیورسٹی سیالکوٹ میں پڑھا رہی ہیں۔آخر میں ڈاکٹر صنم شاکر کا مضمون ''ٹھنڈا سورج جلتا چاند: فکری و فنی جائزہ'' شامل اشاعت ہے۔ ڈاکٹر صنم شاکر آئی سی جی اسلام آباد کالج فار بوائز جی ۶/۳ اسلام آباد میں ۲۰۱۱ء سے پڑھا رہی ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اور وفاقی جامعہ اردو اسلام آباد میں مہمان پروفیسر کے طور پر بھی پڑھا رہی ہیں۔انہوں نے جامعہ اردو سے ''منشا یاد احوال و آثار'' پر پی ایچ ڈی کا مقالہ تحریر کیا ہے(۳۴) اس کتاب کی پہلی خواندگی بھی انہوں نے فرمائی ہے۔ان کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ تمام دیباچہ نگاروں کا ممنون ہوں جنہوں نے اپنے قیمتی اور بے لاگ تجزیوں سے نوازا۔ منیر نیر کے بارے میں قیمتی معلومات کے لیے منیر نیر کے بھانجے برادرم طاہر محمود اور صاحبزادی عائدہ منیر کا تہہ دل سے شکرگزار ہوں کہ انہوں نے ٹیلی فون اور وٹس ایپ پر مجھے معلومات فراہم کیں۔نیرنگِ خیال کے مدیر سلطان رشک اور ان کے معاون محمد رشید بھی شکریے کے مستحق ہیں جن کے تعاون سے بہت سے افسانے اس مجموعہ میں شامل ہو سکے۔آخر میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ منیر نیر کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے''آمین''۔

حوالہ جات

۱۔ محمد وسیم انجم، ڈاکٹر، مقالاتِ انجم، راولپنڈی: انجم پبلشرز، ۲۰۱۹ء، ص:۱۸۲

۲۔ محمد وسیم انجم، ڈاکٹر، تابندہ لوگ، راولپنڈی: انجم پبلشرز، ۲۰۱۷ء، ص:۹۱۔۸۵

۳۔ محمد وسیم انجم، ڈاکٹر، مرتب: مشتاق شناس، راولپنڈی: انجم پبلشرز، ۲۰۱۸ء، ص:۳۲۰

4. https//m.facebook.com.people

۵۔ محمد وسیم انجم، ڈاکٹر، مرتب: انجم نامہ، راولپنڈی: انجم پبلشرز، ۲۰۱۳ء، ص:۱۱۹۰

۶۔ ایضاً، ص:۱۱۹۱

۷۔ ایضاً، ص:۱۲۰۳

۸۔ ایضاً، ص:۱۱۹۶

۹۔ ایضاً، ص:۱۱۹۱

۱۰۔ محمد وسیم انجم، اقبال کا ذہنی و فنی ارتقا، راولپنڈی: نازکو آرٹ پرنٹر (انجم پبلشرز، راولپنڈی)، ۱۹۹۴ء، ص:۱۲

۱۱۔ محمد وسیم انجم، ڈاکٹر، مرتب: انجم نامہ، ص:۱۱۹۲

۱۲۔ ایضاً، ص:۱۱۹۳

۱۳۔ ایضاً، ص:۱۱۹۴

۱۴۔ حکیم یوسف حسن، سلطان رشک، مدیران: نیرنگِ خیال، ماہنامہ، شمارہ ۵۷۰، راولپنڈی: ۸ محمدی مارکیٹ نرنکاری بازار، ۵۲واں سال اشاعت، مئی جون ۱۹۷۵ء، ص: ۶۲

۱۵۔ ایضاً، شمارہ ۵۷۲، اگست ۱۹۷۵ء، ص: ۶۷

۱۶۔ محمد وسیم انجم، ڈاکٹر، مرتب: انجم نامہ، ص: ۱۱۹۵

۱۷۔ ایضاً، ص: ۱۱۹۷

۱۸۔ محمد وسیم انجم، مرتب: مشتاق قمر کے ڈرامے، راولپنڈی: انجم پبلشرز، ۲۰۰۰ء، ص ۱۹۲۔ ۱۷۶

۱۹۔ ایضاً، ص: ۲۹۔ ۲۸

۲۰۔ محمد وسیم انجم، ڈاکٹر، مرتب: انجم نامہ، ص: ۱۲۰

۲۱۔ محمد وسیم انجم، اقبالیات نیرنگِ خیال، راولپنڈی: انجم پبلشرز، ۲۰۰۰ء، ص: ۳۷، ۵۷

۲۲۔ یوسف حسن، حکیم، سلطان رشک، مدیران: نیرنگ خیال، ماہنامہ، شمارہ ۵۳۶، راولپنڈی: بی ۱۳ الیاقت روڈ، ۴۹ واں سال اشاعت، ص: ۳۰۔ ۱۲

۲۳۔ خالد مصطفیٰ، وفیات پاکستانی اہل قلم خواتین، لاہور: فکشن ہاؤس پبلی کیشنز، اگست ۲۰۱۸ء، ص: ۶۱

۲۴۔ محمد وسیم انجم، ڈاکٹر، مرتب: انجم نامہ، ص: ۱۲۰۱

۲۵۔ ایضاً، ص: ۱۲۰۲

۲۶۔ سلطان رشک، مدیر: نیرنگِ خیال، ماہنامہ، شمارہ ۶۳۵، راولپنڈی: ۸ محمدی مارکیٹ، نرنکاری بازار، سال اشاعت ۵۷واں، ص: ۶۴۔ ۳۰

۲۷۔ یوسف حسن، حکیم، مدیر اعلیٰ: نیرنگِ خیال، ماہنامہ، چینی افسانہ نمبر، راولپنڈی: ایچ ۴۰۱، کالج روڈ، اپریل مئی ۱۹۶۸ء، ص: ۵۱

۲۸۔ ایضاً، جنوری فروری ۱۹۷۸ء، ص: ۴۹ اور محمد وسیم انجم، ڈاکٹر، مرتب: انجم نامہ، ص: ۲۰۱۵ء

۲۹۔ اکرام قمر، اداریہ، مدیر: ہلال، ہفت روزہ، جلد ۳، شمارہ ۷، انٹر سروسز پبلک ریلیشنز ڈائریکٹوریٹ، ۱۵ مئی ۱۹۶۶ء

۳۰۔ مشتاق قمر، لہو اور مٹی، المز اح کلائڈ (عزیز بھٹی) روڈ، لال کرتی، رولپنڈی مئی ۱۹۶۶ء

۳۱۔ محمد وسیم انجم، مرتب: مشتاق قمر کے ڈرامے، ص: ۲۵

۳۲۔ یوسف حسن، حکیم، سلطان رشک، مدیران: نیرنگِ خیال، ماہنامہ، شمارہ ۵۷۱، راولپنڈی: ۸ محمدی مارکیٹ، نرنکاری بازار، ۵۲ واں سال اشاعت، جولائی ۱۹۷۵ء، ص: ۴۰

۳۳۔ محمد وسیم انجم، ڈاکٹر، مرتب: انجم شناس، راولپنڈی: انجم پبلشرز، ۲۰۱۹ء، ص: ۳

۳۴۔ محمد وسیم انجم، ڈاکٹر، وفاقی جامعہ اُردو، راولپنڈی: انجم پبلشرز، ۲۰۱۹ء، ص: ۱۰۹

☆......☆......☆